قومیّت اور وطنیّت کی تحریک کا فروغ

اور

اس کا اسلامی حل

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

(۳)

مغربی استعمار کی ریشہ دوانیاں اصل بات یہ ہے کہ گزشتہ تین صدیوں سے یورپی اقوام نے ساری دنیا میں لوٹ کھسوٹ مچا رکھی ہے۔ دنیا جہاں سے دولت سمیٹ سمیٹ کر اپنا گھر بھر لیا۔ اپنے ملک میں صنعت و حرفت کے کارخانے لگا لیے۔ اپنے لوگوں کو آسودہ حال اور خوشحال بنا لیا۔ دوسری جانب تیسری دنیا کے ملکوں کو مفلس و قلاش جاہل و ناخواندہ بنا دیا۔ ان کے اندر قائم صنعتیں تباہ کر ڈالیں۔ ان کے تہذیبی ادارے برباد کر دیئے، ان کو پس ماندہ اور ناکارہ بنا ڈالا۔

اس پس منظر میں اس بات کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے کہ انتشار و افتراق کی قوتیں مغربی ممالک میں کیوں دبی ہوئی ہیں۔ اور مشرقی ممالک میں کیوں خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ مغربی ممالک باہمی حریفانہ کشمکش کے دور سے گذر چکے ہیں۔ اب بڑی حد تک یہ ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں۔ اب تو یہ تیسری دنیا کے اُبھرتے ہوئے ممالک کو اپنا حریف اور رقیب سمجھتے ہیں۔ اور اس حریف کے خلاف بڑی حد تک باہمی مفاہمت پر عمل پیرا ہیں کہ کسی بھی طرح اُن کو اُبھرنے نہ دیا جائے۔ بلاشبہ تیسری دنیا کے ممالک کے اپنے حالات بھی ناگفتہ بہ ہیں۔ تعلیمی پستی، معاشی بدحالی، معاشرتی کشاکش، سیاسی عدم استحکام جیسے نقائص عام ہیں۔ پھر متجلوں اور مستبدوں کا دور بھی جاری ہے۔ فوجی انقلابات

بھی آتے رہتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں کا حال بھی یہ ہے کہ:

ع آں چہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

لیکن تیسری دُنیا کی خرابیوں، ناکامیوں، بدعنوانیوں کی اگر سراغ رسانی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ استعماری قوتیں، بڑی طاقتیں، دنیا کے چودھری کی پسِ پردہ ریشہ دوانیوں کے یہ سب نتائج ہیں۔ ان کی خواہش یہ رہتی ہے کہ مچھلی خواہ کتنی ہی تڑپا کرے مگر رہے ہمارے جال کے اندر۔ اپنے زیرِ اثر ملکوں میں حکومتوں کو وہ اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر کوئی حکومت سرکشی دکھلائے تو اُس کے مُلک میں کسی بھی لِسانی یا نسلی اقلیّت کو بھڑکا کر فتنہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ افلاس زدہ اور کم تعلیم یافتہ ممالک کے اندر آلۂ کار افراد کو خرید لینا کچھ دشوار کام نہیں ہے۔ دُنیا کے چودھری ان ممالک میں موجود لسانی یا نسلی اقلیتوں کی عصبیتوں کو اور دوسرے فروق و اختلافات کو بھڑکاتے رہتے ہیں۔ لِسانی اور نسلی اقلیتیں موجودہ دُنیا کے سارے ممالک میں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں ان کو استعمال کرتے ہیں اور جہاں نہیں چاہتے وہاں استعمال نہیں کرتے۔

عرب خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ سایہ صدیوں سے رہتے چلے آتے تھے۔ استعمار کی قوتوں نے عربوں کو ورغلایا۔ ایک وسیع و عریض عرب مملکت کا لالچ دیا۔ ان کو ترکوں سے لڑا دیا۔ اور خلافتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کر ڈالے۔ عربوں کی متحدہ ریاست تو کجا عثمانی دور کے صرف ایک صوبے شام کے پانچ ٹکڑے کر ڈالے۔

۱۔ شام ۲۔ لبنان ۳۔ اُردن ۴۔ اسرائیل ۵۔ سنجق انطاکیہ

چار آزاد ممالک ہیں۔ سنجق واپس ترکیہ کو دے دیا۔ اول تین کیا عرب نہیں ہیں؟ کیا ان میں وحدتِ نسل، وحدتِ لسان اور وحدتِ تاریخ، وحدتِ مذہب موجود نہیں ہے؟ سب کچھ ہے۔ مگر استعمار کی قوتوں کا مفاد ان کو ٹکڑے ٹکڑے بنا دینے میں ہے۔ شمالی یمن اور جنوبی یمن، شمالی کوریا اور جنوبی کوریا، مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی کو دُنیا کے چودھریوں نے جدا جدا مملکتیں بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ان کے اندر وحدتِ کاملہ پائی جاتی ہے اور ابھی کل تک یہ سب ایک ہی مُلک تھے۔

دوسری طرف چین کے زرد خطرہ کے پیش نظر دنیا کے ان چودھریوں کا مفاد اسی میں تھا اور ابھی بھی ہے کہ ہندوستان کو مستحکم رکھا جائے۔ ایک طاقت ور ریاست بنا دیا جائے۔ اس لیے ہزار اسباب انتشار و افتراق اور اقلیتوں میں شدید اضطراب کے باوجود زنجیر ورکی چابک دستی نے انتشار کی قوتوں کو بڑھنے نہیں دیا۔ کوئی علاقہ مرکز سے بالکلیہ علیحدہ نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا زیادہ امن و سکون سے وقت گزار سے اگر کسی طرح سے دنیا والوں کو ان چودھریوں کی ریشہ دوانیوں سے نجات مل جائے۔ کسی طرح ان کی دخل اندازی کا خاتمہ ہو جائے۔

مسئلہ قومیت کا علمی تجزیہ

مغرب اور مشرق میں وطنیت اور قومیت کی وسعت اور کارگزاری کا مختصر سا تذکرہ صفحاتِ بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم قومیت کے اہداف اور غایات کا جائزہ لے کر دیکھتے ہیں کہ وہ کس حد تک پورے ہوئے۔ اب ذرا خالص علمی انداز میں اس مسئلہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ کیا قوم پرستی، وطن پرستی، لسان پرستی اختیار کرنے سے نوعِ انسانی کا بنیادی مسئلہ حل ہو جاتا ہے؟ یا حل ہو سکتا ہے؟ کیا یہ نظریات انسان کو عدل و انصاف کا معاشرہ اور امن و سکون کا ماحول مہیا کر سکتے ہیں؟

بحث و مناظرہ کا طریقہ کار ترک کر کے، تمام زوائد و عوارض سے عاری کر کے ہم اِن نظریات کے مطابق ایک مثالی معاشرہ کا تصور کرتے ہیں۔ ہم ایک ایسا جزیرہ فرض کر لیتے ہیں جہاں ایک ہی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جہاں صرف ایک زبان بولنے والے افراد آباد ہیں، سب ایک ہی بولی میں بات کرتے ہیں، دوسرا کوئی فرق ان کے درمیان نہیں مزید بر آں ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ وہاں کامل مساوات قائم ہے۔ ہر شخص کے پاس کاشت کرنے کے لیے پانچ ایکڑ زمین موجود ہے، ہر شخص کے پاس دودھ پینے کے لیے ایک گائے موجود ہے۔ رہنے کے لیے ہر شخص کے پاس ایک آرام دہ مکان موجود ہے۔ ہر شخص کے بیوی بچے ہیں۔ راحت، سکون اور طمانیت کے لیے تمام ضروری سامان موجود ہے۔ کوئی غیر قوم، غیر زبان، غیر ملکی وہاں موجود نہیں ہے۔ ظلم و زیادتی، انتشار و افتراق اور استحصال کے تمام عوامل وہاں مفقود

ہیں۔ وہاں کامل مساوات ہے، ہر طرح راحت و آرام اور عیش و سکون ہے۔ یہ جزیرہ قومیت، وطنیت، لسانیت اور اشتراکیت کے پرستاروں کے تصورات کے مطابق جنت کا نمونہ ہے۔ اس سے برتر اور افضل زندگی کا کوئی تصور وہ پیش نہیں کر سکتے۔

وہاں رہتے رہتے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے کہ پریشانی، بدامنی اور بدعنوانیوں کی وہ ساری خرابیاں بھی وہاں پیدا ہونا شروع ہوگئیں جن کو چھوڑ کر اس جزیرہ میں نئی دنیا آباد کی تھی۔ ہوا یوں کہ ایک شخص نے دل میں سوچا کہ میرے پڑوسی کی زمین زیادہ زرخیز ہے اس کو کسی طرح حاصل کرنا چاہیے۔ اس نے مختلف حیلوں بہانوں سے اپنے پڑوسی کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ان دونوں کے درمیان جھگڑا رہنے لگا۔ ایک اور شخص نے سوچا کہ میری گائے دودھ کم دیتی ہے۔ میرے پڑوسی کی گائے زیادہ دودھ دینے والی ہے۔ کسی طرح اس کو حاصل کرنا چاہیے۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے جوڑ توڑ میں وہ لگ گیا۔ ایک تیسرے شخص نے سوچا کہ فلاں شخص کی عورت خوب صورت بھی ہے اور سلیقہ مند بھی ہے۔ میری بیوی نہ اتنی حسین ہے نہ اس قدر سلیقہ مند ہے۔ کسی طرح اس عورت کو حاصل کرنا چاہیے۔ مسائل کھڑے ہوگئے۔ دوسرے مرحلہ پر دھونس، دھاندلی اور زیادتی کے واقعات رونما ہونے لگے۔ مقدمہ بازی شروع ہوگئی۔ پھر سازشی مرحلہ شروع ہوا۔ پولیس کو رشوت دے کر ہموار کیا گیا۔ اس طرح اس جزیرہ میں دھیرے دھیرے چوری، اغوا، لڑائی، قتل، رشوت، دھوکہ بازی تمام برائیاں پیدا ہوگئیں۔ اس کا حال بھی ویسا ہی ہوگیا جیسا کہ دنیا کے دوسرے علاقوں کا ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خرابیوں کی جڑ انسان کے باطن میں ہے۔ خارج میں نہیں ہے۔ شیطان باطن میں انسان کو ورغلاتا ہے۔ جس کے بعد انسان غلط راہ پر، مجرمانہ راہ پر چل پڑتا ہے۔ اور وہاں شر اور برائی، فتنہ و فساد کی فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ یہاں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ شر و فساد کے اس سرچشمے کو کیا قومیت، وطنیت، اشتراکیت یا کسی اور خارجی طریقہ سے ختم کیا جا سکتا ہے؟ کیا پھوڑے پھنسیوں کے علاج کے لیے خارج میں پھاہا رکھ دینا کافی ہے۔؟ کیا فساد خون دور کرنے کے لیے اندرونی علاج

کی ضرورت نہیں ہے ؟

مذہب کا انکار کر دینے کے بعد یورپ غلط راستہ پر پڑ گیا۔ اُس نے داخلیت کا انکار کر دیا اور خارجیت کی راہ پر چل پڑا۔ حالانکہ شر کی جڑ جب باطن میں موجود ہے، خارج میں دوا دارو سے مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ پولیس ہو، فوج ہو، انتظامیہ ہو، وزراء ہوں سب اسی معاشرہ کے افراد ہوتے ہیں۔ وہ کوئی فرشتے نہیں ہوتے۔ شر پسندوں اور اغراض مندوں کے لیے ان کو اپنے حق میں ہموار کر لینا کوئی دشوار بات نہیں ہے۔ روپیہ، عورت اور شراب کی صورت میں رشوت دے کر شر پسند لوگ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اور حکومت کرنے والے وزراء کو اپنے حق میں ہموار کر لیتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ اس لیے قومیت ہو، وطنیت ہو، اشتراکیت ہو، ان میں سے کوئی بھی شر کے منبع اور سرچشمہ پر حملہ آور نہیں ہوتا۔ اس لیے معاشرے سے شر دُور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، نہ یہ انسان کو عدل دے سکتے ہیں، نہ یہ انسان کو امن و سکون دے سکتے ہیں۔

شر کی جڑ اکھاڑنے کے لیے انسان کے اندر کی اصلاح، انسان کے باطن کی تطہیر اور انسان کے ضمیر کا تزکیہ کرنا ضروری ہے۔ یہ وہ دائرہ ہے جہاں مغرب اپنی تمام تر تابناکیوں کے باوجود، داخل ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے مغرب نے جتنے بھی نظام پیش کیے ہیں وہ انسانوں کو کچھ عرصہ بہلا تو سکتے ہیں لیکن انسانیت کا کوئی ایک مسئلہ بھی مستقل طور پر حل نہیں کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف اسلام کامیاب و کارگر ہے۔ جاہلیت عرب کے انتہائی پست اور بگڑے ہوئے معاشرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو عشروں کی مدت میں صالح بلکہ مصلح بنا دیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

(باقی)